

ترکیہ نفس

بیماریوں کا علاج

(مولانا امین احسن اصلاحی)

پچھلی دو فصلوں میں ہم نے ان بیماریوں کی نشان دہی کی ہے جو علم و معرفت کے لیے ہلک ہیں۔ یہ بیماریاں یوں تو بہت سی ہو سکتی ہیں لیکن ہم نے صرف دس ایسی بیماریوں کا پتہ دیا ہے جو بڑی حیثیت رکھتی ہیں اور جن میں سے ایک ایک کے اندر سے صد ہا روحانی و اخلاقی بیماریوں کی شاخیں پھوٹی ہیں۔ ان میں سے چار بیماریاں تو جیسا کہ ہم نے بتایا ہے، ایسی ہیں جو اگر کسی شخص میں پائی جائیں تو اس کے اندر حق طلبی اور حق شناسی کا داعیہ ہی سرے سے مردہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے حالات پر ایسا قانع، اپنے علم پر ایسا مطمئن اور اپنے ماحول میں ایسا مست یا غافل ہوتا ہے کہ نہ تو خود اس کے اپنے اندر سے کسی قسم کی طلب یا پیاس ابھرتی ہے اور نہ کسی کے توجہ دلانے ہی پیاس کے اندر کوئی حرکت پیدا ہوتی ہے، بلکہ بعض حالات میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر اس کا کوئی سہمد و خیر خواہ اس کی بے بسی یا بے ماہ روی پر ٹوک دے تو وہ اس کی اس بھدروی کی تہہ کرنے کے بجائے اٹا اس کے سر ہو جایا کرتا ہے کہ اس نے اس کو کیوں ٹوکا؟۔ وہ اپنے آپ کو مرض کھنے میں اپنی ہتک محسوس کرتا ہے۔ اس کو اس تصور سے بھی غصہ آتا ہے کہ کوئی شخص خود اس کے اندر بھی کسی مرض کی نشان دہی کر سکتا ہے یا اس کا علاج کر سکتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو نہ صرف تندرست و توانا خیال کرتا ہے بلکہ بعض حالات میں وہ دوسروں کا معالج اور طبیب بھی بنا بیٹھا ہوتا ہے، پھر وہ کس طرح گواہ کرے کہ دوسرے آکر اس کے پندار مذاقت کو مجروح کریں اور وہ ان کے مشورے قبول کرے دوسروں کی نظروں سے اپنے آپ کو

لحمیہ معنونہ تفسیر ترجمان القرآن جلد ۲۲ عدد ۲ اور جلد ۲۳ عدد ۲ میں بالترتیب مجاہدات علم اور آفات علم کے حوالوں سے

شائع ہوئی ہیں۔ چونکہ یہ فصل اسی بحث کی تکمیل کرتی ہے جو مذکورہ دونوں فصلوں میں گزر چکی ہے اس وجہ سے مناسب ہوگا

اگر اس کو پڑھتے وقت ان فصلوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ (امین احسن)

گرنے اور اپنی ہی جہائی دکان ختم کرے۔

اسی طرح ہم نے بتایا ہے کہ ان میں سے چھ بیماریاں ایسی ہیں جہاں کسی صاحبِ علم و معرفت کو ٹنگ جائیں تو اس کی تمام حاصل کردہ دولت معرفت برباد ہو جایا کرتی ہے۔ علم و ایمان کا جو ذخیرہ اس نے جمع کیا ہوا ہوتا ہے وہ بالکل ضائع ہو جاتا ہے۔ زریبِ اخلاق اور ترکیہ نفس کے جو مراحل وہ طے کر چکا ہوتا ہے وہ سارے کے سارے ناطے کر وہ ہی کدہ جاتے ہیں۔ وہ جہاں سے اس راہ میں چلا ہوتا ہے وہیں پھر لپٹ جاتا ہے بلکہ بسا اوقات اس سے بھی پیچھے پھینک دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے لیے توفیقِ خیر کے دروازے ہی بند ہو جاتے ہیں اور وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بقول نہ صرف اتنے ہی سے محروم کر دیا جاتا ہے جہاں سے بخشا گیا تھا بلکہ وہ بھی اس سے چھین لیا جاتا ہے جو اس کے اپنے پاس موجود ہوتا ہے۔

بیماری جسمانی بیماریوں میں جو اہمیت دنی اور دنیوی، کوڑھ، عارضہ جذام وغیرہ کو حاصل ہے ان سے زیادہ اہمیت بیماری روحانی و اخلاقی بیماریوں میں ان امراض کو حاصل ہے اس وجہ سے ہم صرف ان کے بیان کر دینے ہی پر اکتفا نہیں کرنا چاہتے بلکہ اپنے علم کی تھمک کتاب و سنت کی روشنی میں ان کے پیدا ہونے کے اسباب اور ان کے انزال کی تدابیر پر بھی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

علاج کے بیان میں بعض مصالح کی بنا پر ہم ترتیب اس سے بالکل مختلف اختیار کریں گے جو ہم نے امراض کے بیان میں اختیار کی ہے۔ پچانوچہ سب سے پہلے ہم اس مرض کا علاج بیان کریں گے جس کا ذکر ہم نے سب سے آخر میں کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ جس کی اصلاح کی سب سے زیادہ توقع ہو سکتی ہے وہ زیادہ تر اسی بیماری کا شکار ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو اللہ کے بندے شہداء اور صالحی پر کند ڈال سکتے تھے ان کا سارا وقت شکارِ گنہگاروں میں برباد ہوتا ہے۔

اشتغالِ بلا دنی کے اسباب اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ اور شریف کو نظر انداز کر کے کسی حقیر و ذلیل کام کو انسان اور اس کے انزال کی تدابیر میں یوہی نہیں اختیار کرتا ہے، انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے سست اور ذلیل نہیں بنایا گیا ہے کہ وہ عوامِ خواہستہوں ہی کی طرف جھکے اور گھٹیا باتوں ہی کو پسند کرے۔ اپنی فطرت کے لحاظ سے تو وہ حق طلب، خیر پسند اور اعلیٰ اقدار کا قدردان پیدا کیا گیا ہے لیکن کچھ خاص اسباب ہوتے ہیں

جن کی وجہ سے وہ بسا اوقات اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ اور خوب کو نظر انداز کر کے ناخوب کو اختیار کرتا ہے اور پھر اسی کے پیچھے اپنی بیش قیمت زندگی گنوا بیٹھتا ہے۔ ہم یہاں ان اسباب کا کھوج لگائیں گے اور جہاں جہاں مزورت ہوگی ان کے قدر کرنے کی تدابیر کی طرف ہی اشارے کرتے جائیں گے۔

(۱) اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کے اختیار کرنے کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ عموماً لوگ وقت کی قدر و قیمت نہیں پہچانتے۔ انہیں یہ تپہ نہیں ہے کہ انسان کے ہاتھ میں اصلی دولت وقت ہی ہے جس نے وقت کو ضائع کر دیا اس نے سب کچھ ضائع کر دیا قدرت نے انسان کے ہر لمحہ زندگی کے ساتھ ایک اہم فرض بانڈھ رکھا ہے جس کی ادائیگی ہی میں اس کی زندگی کی ساری عظمتیں پوشیدہ ہیں۔ اگر وہ اپنی زندگی کے کسی لمحہ میں بھی اس فرض کو پہچاننے یا ادا کرنے میں کوتاہی کر جائے جو اس لمحہ کے ساتھ مخصوص ہے تو پھر اس فرض کا وقت زندگی میں کبھی بھی نہیں آتا، کیونکہ اس کے بعد اس کو زندگی کے جو لمحات بھی میسر ہوتے ہیں وہ اپنے فرائض ادا اپنی ذمہ داریاں ساتھ لاتے ہیں۔ اس وجہ سے جو فرض رہ گیا وہ گویا ہمیشہ کے لیے رہ گیا۔ اگر اس کو اس کے اصلی وقت کے بعد پورا کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ اسی کے مساوی یا اس سے بھی زیادہ بھاری دوسرے کسی فرض کو اس کی خاطر نظر انداز کیا جائے جس نے یہ کہا ہے کہ

یک لمحہ غافل وہ ام صد سالہ را ہم وعدند

اس نے محض ایک شاعرانہ خیال ہی نہیں ظاہر کیا ہے بلکہ زندگی کی ایک نہایت اہم حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔

وقت ایک گراں مایہ دولت ہے اور اس دولت کی فطرت یہ ہے کہ یہ رکھ چھوڑنے کی چیز نہیں ہے۔ یہ برف کے تودے کی طرح ہر وقت گھمکتی رہتی ہے، اگر انسان اس سے پوری مستعدی کے ساتھ فائدہ نہ اٹھائے تو یہ بہت جلد پانی کی روانی کے ساتھ بہ جاتی ہے اور انسان اپنی غفلت اور بد بختی پر ہاتھ دھنا رہ جاتا ہے۔ پھر اس کی یہ بھی فطرت ہے کہ یہ ایک شمشیر معدوم ہے جس کی کاٹ دو طرفہ ہے۔ اگر آپ اس کے اپنے حق میں استعمال نہ کر سکتے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ آپ کے خلاف استعمال ہوگا۔ اگر اس کے ایک ایک لمحہ کے بدلہ میں آپ نے اجور نہیں لکھایا تو صرف یہی خسارہ نہیں ہوگا کہ آپ نے اپنے سر یا یہ سے فائدہ نہیں اٹھایا

بلکہ اس کا اصلی دروازہ پیلو یہ ہے کہ ضائع شدہ زندگی کا ایک ایک پل آپ کے لیے وہاں بنا۔ یہ لوگ جانے والی زندگی صرف مٹانگاہ ہی نہیں جاتی بلکہ انسان پر ایک ابدی لعنت ہے کہ مسلط ہو جاتی ہے۔ سورہ والعصر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور یہ سورہ وہ سورہ ہے جس کی نسبت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا یہ ارتداد ہے کہ اگر قرآن میں سے کچھ اور نہ اترتا، صرف یہی سورہ اترتی تو ہمارے لیے کافی تھی۔ فرمایا۔

وَالْعَصْرَ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّصُوا بِالنَّحْيِ
وَتَوَّصُوا بِالصَّبْرِ۔

زانا شاہد ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے مگر وہ لوگ جو
ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کیے اور ایک دوسرے
کو حق اور ثابت قدمی کی نصیحت کرتے رہے۔

یہ سورہ جہاں اوپر کے حقائق کی طرف اشارہ کر رہی ہے وہیں ایک اور باریک نکتہ کی طرف بھی اس سے رہنمائی مل رہی ہے۔ وہ یہ کہ انسان کے اس خسارہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ وقت اور اس کے مصرف دونوں کی قیمتوں میں موازنہ نہیں کر پاتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اثر نمایاں تو ڈالتا ہے اور کونوں پر مہر کرتا ہے، جو اہرات دیتا ہے اور سنگریزے خریدتا ہے، کانٹوں کو چھینتا ہے اور پھولوں کو چھینکتا ہے۔

اگر ایک انسان کے پاس ایک ہی روٹی ہو اور خود اس کو اور اس کے بچوں کو فاقہ و پیش ہو تو وہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنے کی غلطی کبھی نہیں کرے گا۔ اگر ایک مسافر کے پاس پانی کی ایک ہی چھالگ ہو اور اس کو صحرا کا سفر درپیش ہو تو وہ اس پانی کو پاؤں دھونے پر کبھی ضائع نہیں کرے گا بلکہ اس کا ایک ایک قطرہ اپنی زندگی بچانے کے لیے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے گا، اگر کسی کے ترکش میں ایک ہی تیر ہو اور راستہ میں اسے شیر یا بھڑیے سے دوچار ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ یہ حمانت کبھی نہیں کر سکتا کہ وہ اس ایک ہی تیر کو گیندوں اور لوٹروں کے لشکار پر ضائع کر دے بلکہ وہ اس کو اسلحہ خطرہ کی مدافعت کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن حیرت ہے کہ وہی انسان جو اپنی ایک روٹی، اپنے ایک چھالگ پانی اور اپنے ترکش کے ایک تیر کے مصرف کو متعین کرنے میں اتنا محتاط ہے جب اس کے سامنے خود اپنی زندگی

جیسی بیش قیمت چیز کے معرفت کرنے کا سوال آتا ہے تو وہ بالکل ہی نادان بن جاتا ہے ظاہر ہے کہ ہمارے حصہ میں ایک ہی زندگی آئی ہے، کئی زندگیاں نہیں آئی ہیں۔ اسی زندگی کے بدلے میں ہم یا تو ابدی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں یا ابدی خسران۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ابدی کامیابی حاصل کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ چیز محض خواہش کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے انسان کو قدم قدم پر بہت سسر کھنی پڑتی ہے اور زندگی کے ہر لمحہ پر معرکے جیتنے ہوتے ہیں۔ بغیر من معرکوں کے جیتنے اور ان بہات کو سر کیے انسان ابدی کامیابی نہیں حاصل کر سکتا۔ لیکن اس واضح حقیقت کے باوجود دنیا میں اکثریت بھی لوگوں کی بے جو اپنی زندگیاں نہایت حقیر متعاصد پر ضائع کرتے ہیں۔ اس کی وجہ، جنبہ کہ بیان ہوئی، یہی ہے کہ انہیں اس زندگی اور اس مدتِ حیات کی حقیقی قدر و قیمت معلوم نہیں ہے جو ان کے حصہ میں آئی ہے۔ نہ وہ اس کی سیال فطرت سے مانع ہیں، نہ اس کی معطرہ کاٹ کو جانتے ہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ یہ خود تو اگرچہ عارضی اور فانی ہے لیکن وہ ایک ابدی اور لازوال زندگی کی قیمت بن سکتی ہے بشرطیکہ انسان اس کو حقیر مشغلوں میں ضائع کرنے کے بجائے اسی معرفت میں صرف کرے جس پر اس کو صرف ہونا چاہیے۔

(۲) اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی طرف مائل ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے اس درجہ اور مرتبہ سے غافل ہو جاتا ہے جو قدرت نے اس کو بخشا ہے۔ انسان اس تمام کائنات کی تخلیق کا مقصد اور موضوع ہے۔ دنیا کی ساری چیزیں اس کے لیے بنائی گئی ہیں لیکن وہ ان چیزوں میں سے کسی چیز کے لیے بھی نہیں بنایا گیا ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کے لیے مسخر کی گئی ہے لیکن وہ کسی کے لیے بھی مسخر نہیں کیا گیا ہے۔ وہ ہر چیز کو استعمال کرتا ہے اور کر سکتا ہے لیکن اس دنیا میں کسی کا بھی یہ درجہ اور مرتبہ نہیں ہے کہ خود اس کو استعمال کر سکے۔ سب کے لیے فنا ہے لیکن انسان فنا ہو کر بھی باقی رہنے والا ہے۔ اس کی صلاحیتیں اور قابلیتیں غیر محدود ہیں اور اس کے درجہ کی بلندی کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس کو اپنی معرفت حاصل ہو جائے اور وہ اپنی صلاحیتوں کو صحیح طور پر استعمال کر سکے تو دوسری مخلوقات تو درکنار فرشتے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ زمین میں خدا کا تخلیفہ اور اس کا نائب ہے

اور خدا کے سوا کوئی بھی اس سے بڑا نہیں ہے۔ یہ مرتبہ ایک ایسا درجہ مرتبہ ہے کہ اس سے زیادہ اونچے مرتبہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ خدا نے اس مرتبہ کا انسان کے اندر شعور بھی ودیعت کیا ہے اور اس مرتبہ کی انتہائی بلندیوں تک پہنچنے کے لیے اس کو قوتیں اور قابلیتیں بھی عطا فرمائی ہیں۔ اگرچہ اپنے اس شعور کو زندہ رکھنا یا نہ رکھنا اور ان قوتوں اور قابلیتوں کو استعمال کرنا یا نہ کرنا خود اس کی اپنی آزادی ہے اور اپنی پسند یا ناپسند پر منحصر ہے۔ اور یہ اختیار وہ آزادی بھی عطا کیجیے تو اس کے عزت و شرف ہی کا ایک پہلو ہے۔ کیونکہ خدا نے اپنی مخلوقات میں سے انسان ہی کو اس شرف سے نوازا ہے کہ وہ اپنی راہ اور منزل خود انتخاب کر سکتا ہے۔ اگر وہ اپنے اس انتخاب میں اپنے منصب اور مرتبہ کا لحاظ رکھتا ہے تو جس فطرت شاہینی کے ساتھ خدا نے اس کو پیدا کیا ہے وہ ظہور میں آتی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے مرتبہ اور مقام کو بھول جائے تو پھر وہ شاہین ہو کر کھٹک فرمایا اور شیر ہو کر گدبہ مسلین کی فطرت اختیار کر لیتا ہے۔ قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف سورہ والعتین میں اشارہ فرمایا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ
رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ

ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا، پھر اس کو
اسفل سافلین کی طرف لوٹا دیا، صرف وہ لوگ اس سے
مستثنیٰ ہیں جنہوں نے ایمان اور عمل صالح کی راہ اختیار کی۔

اس احساس شرف سے محروم ہو جانے کے بعد انسان جس طرح گرتا ہے اور اپنے آپ کو اپنی حقیر و ذلیل خواہشوں کے جس طرح حوالہ کر دیتا ہے اور پھر اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر وہ جس درجہ ذلیل و خوار ہوتا ہے اس کی پوری تصویر قرآن مجید نے اعراف کی اس آیت میں کھینچ کے رکھ دی ہے۔

وَأَسْأَلُ عَلَيْهِمْ ثَابِتًا كَذِبًا ابْتِغَاءَ آيَاتِنَا
فَأَنْسَلَمَ مِنْهَا فَاتَّبَعُوا الشَّيْطَانَ فَكَانَ مِنَ
الْعَاوِينَ. وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ
أَخَذَ إِلَى الْأَرْضِ مِنْ قَبْلِهِ فَاتَّبَعَ حَوَاهُ فَمَتَّذِرُ
كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحَمَلَ عَلَيْهِ يُلَهِّثُ أَوْ

ان لوگوں کو اس شخص کی سرگذشت سناؤ جس کو ہم نے اپنی
آیتوں سے نوازا تو اس کے یہ خلعت اتار بھینکی جس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ شیطان اس کے درپے ہو گیا اور وہ گمراہوں میں
سے بن گیا مگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کے ذریعہ سے
اٹھاتے لیکن وہ ہستی ہی کی طرف مائل اور اپنی خواہشوں ہی کے

اَوْتَرَكَهُ يَكْفُتًا -
 پیچھے پڑا رہا۔ تو اس کی مثال کتے کی ہو گئی کہ اگر اس کو دھسکان
 جب بھی زبان نکالے رہتا ہے اور اگر اس کے مال پر چھوڑ
 دو جب بھی زبان نکالے ہی رہتا ہے۔

(۳) اس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ جتنے کام بھی اعلیٰ و اشرف ہیں وہ مشقت طلب، صبر آزما اور محو
 کڑوے کیلے ہیں۔ ان کو انجام دینے کے لیے انسان کو ایک پڑھائی سی پڑھنی پڑتی ہے۔ برعکس اس کے
 گھٹیا قسم کے جو کام ہوتے ہیں وہ نہایت سہل، بے مشقت، اور نفسانی تقاضوں کو فوری تسکین ہم پہنچانے
 والے ہوتے ہیں، ان کے لیے انسان کو کوئی پڑھائی پڑھنے کے بجائے صرف نیچے کی طرف لڑھک جانا
 ہوتا ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ نماز اور تلاوت کے مقابلہ میں گپ شپ کرنا، مطالعہ کرنے کے بجائے
 سو رہنا، فلسفہ پڑھنے کے بجائے ناول اور افسانے پڑھنا، ضبط نفس اور تربیت و تزکیہ کا دوسرا مول
 لینے کے بجائے اپنے آپ کو خواہشات نفس کی پرچھوڑ دینا عام آدمیوں کے لیے بہت سہل اور لذیذ کام ہیں، میدان
 میں ڈٹ کر لڑنے کے بجائے اگر قرار اختیار کرنا ہو اور موجوں اور بادِ مخالف سے خبرد آزمانی کی جگہ اگر
 کشتی کو موجوں ہی کے حوالہ کر دینا ہو تو آخر اس کے لیے ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر دینے کے سوا اور کس سلیقہ یا
 محنت کی ضرورت ہے؟ اعلیٰ کاموں کے مقابل میں ادنیٰ کاموں کی یہی فطرت ہے جو ان لوگوں کو
 اپنی طرف کھینچ لیتی ہے جو اپنے اندر محبت اور اولوالعزمی نہیں رکھتے اور جو محنت و مشقت کے بجائے
 کاہلی اور سہل پسندی کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ اعلیٰ اور ادنیٰ کے اسی فرق کو ایک حدیث نبوی میں اس
 طرح واضح فرمایا گیا ہے کہ حفت الجنة بالمکارہ و حفت الجنة بالشہوات جس کا مطلب یہ ہے
 کہ اہل کمال کی منزل مشکلات و مصائب سے گھری ہوئی ہے اور اہل خسران کی منزل خواہشاتِ نفس سے
 گھری ہوئی ہے۔ اگر کوئی شخص حینت حاصل کرنا چاہے تو اس کو بے شمار مشکلات و مصائب سے ٹرنا
 اور ان پر غالب آنا پڑے گا، برعکس اس کے اگر کوئی شخص دوزخ میں گرنا چاہے تو اس کا معاملہ نہایت سہل
 ہے، وہ کسی مزاحمت کا مقابلہ کیے بغیر، اپنی خواہشات کے سبز باغوں میں پھرتا پھرتا وہاں تک پہنچ جاتا
 ہے۔ نیکی اور بدی کے مزاج کا یہی اختلاف ہے جس کے سبب سے انسان نیکی کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتا

کیونکہ اس راہ میں اس کو گھاٹیاں پار کرنی پڑتی ہیں اور قدم قدم پر اپنے نفس کی خواہشوں سے بڑنا ہوتا ہے۔ چنانچہ خود قرآن نے اس راہ کے سفر کو "اقتحام عقبہ" سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی ہیں گھاٹی کو پار کرنا۔ فرمایا ہے۔

وَهَدَيْتَنَا إِلَى الْمَجْدَيْنِ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ
وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ نَكْرُوبَةٌ أَوْ إِطْعَامٌ
فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ
مُسْلِمًا ذَا مَقْرَبَةٍ كَمَا كَان مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَةِ أُولَئِكَ
أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ (سورہ بلد)

اور ہم نے اس کے لیے بدی اور نیکی دونوں کی راہیں دکھائیں تو اس نے گھاٹی کو پار نہیں کیا۔ اور تم کیا سمجھے کہ گھاٹی کیا ہے؟ غلام کو آزاد کرنا یا بھوک کے دن کسی قرابت مند یتیم یا کسی خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔ علاوہ انہیں ان لوگوں کے زمرہ میں سے بننا جو ایمان لائے اور جو ایک دوسرے کو صبر اور سہد روی کی نصیحت کرتے رہے یہی لوگ ہیں جو آخرت میں خوش نصیب ہونگے۔

برعکس اس کے جو شخص بدی کے گڑھے میں گرنا چاہتا ہے وہ اپنی منزل بڑی تیزی سے طے کرتا ہے۔ وہ بدی کا رخ کرتے ہی خود بخود ڈرھکتا ہوا اپنے پسند کردہ تعمیرِ مذمت کی گہرائیوں میں پہنچ جاتا ہے اس کا اشارہ سورہ دناہ اسفل سافلین میں "سافلین" کے لفظ سے نکل رہا ہے۔ اس کا اصلی مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خواہشاتِ نفس کے پیرو کو اس کی خواہشات کے حوالہ کرتا ہے اور وہ لڑکھڑاتا ہوا اخلاقی پستی کی آخری حدوں تک پہنچ جاتا ہے۔

اس موقع پر نفسِ انسانی کی اس خصوصیت کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہیے جس کی طرف حضرت ابو بکر صدیق نے اشارہ فرمایا ہے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو خلافت کی ذمہ داریاں سپرد کرتے وقت جو قیمتی نصیحتیں فرمائیں ان میں ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ اس بات کو یاد رکھنا کہ نفس کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر اس کی ایک ناجائز خواہش پوری کر دی جائے تو پھر وہ دوسری کے لیے ہاتھ پاؤں پھیلاتا ہے یعنی ایک کمزوری دوسری کمزوری کے لیے اوسا ایک برائی دوسری برائی کے لیے خود راہ کھول دیتی ہے اس وجہ سے بہتری اسی میں ہے کہ نفس کو اس جانب ڈھیل ہی نہ دی جائے، ورنہ اگر ایک مرتبہ وہ اس راہ پر چل پڑا تو پھر اس کو

اس سے موڑنا آسان نہیں رہے گا، ایک چراگاہ کے بعد دوسری چراگاہ اس کے سامنے آتی رہے گی اور وہ آگے ہی بڑھتا چلا جائے گا یہاں تک کہ وہاں پہنچ جائے گا جہاں پہنچ کر واپس آنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

(۴) اعلیٰ کے مقابل میں ادنیٰ کے ترجیح دینے کی ایک بڑی وجہ دنیا میں ادنیٰ پرستوں کی کثرت بھی ہے۔ آدمی اسی راہ پر چلنے میں سلامتی دیکھتا ہے جو قافلوں سے بھری ہوئی ہو۔ جس کام کو اکثریت کر رہی ہو اس کے کرنے کے لیے صرف یہی نہیں کہ دل میں تحریک اٹھتی ہے بلکہ یہ چیز اس کے ایک اعلیٰ اور عمدہ کام ہونے کی ایک نہایت قوی دلیل بھی بن جاتی ہے تاریخ کے جس دور میں جس چیز کا بھی زور ہوا ہے اس نے وہاں عام کی طرح ہر شخص کو کچھ نہ کچھ مزہ متاثر کیا ہے اور اس تاثر میں اول تو اس کی ذاتی قدر و قیمت پر بہت کم لوگوں نے غور ہی کیا۔ اور اگر کچھ لوگوں نے غور بھی کیا تو بالآخر انہیں بھی وقت کی عام بد مذاقی کے آگے سپرٹال دینی پڑی۔ بنی اسرائیل کے بگاڑ کی تاریخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ جب ان کے اندر خرابیاں پھیلنی شروع ہوئیں تو ابتدا میں ان کے علماء نے ان کو مان سے روکنا چاہا، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وقت کے رجحان عام کے آگے ان کے لیے بند باند مناسبت ہے تو وہ خود بھی اسی رجحان عام کی رو میں بہنے کے لیے تیار ہو گئے جس کی منزل ان کو یہ ملی کہ اللہ تعالیٰ نے لگوے ہوئے لوگوں کے دلوں کی سیاہی ان کے دلوں پر بھی بخوبی دی۔ خود ہماری اپنی تاریخ پر بھی غور کیجئے تو کچھ یہی صورت حال یہاں بھی نظر آئے گی۔ صدر اول کو چھوڑ کر جس میں زندگی کے ہر شعبہ میں اعلیٰ اقدار کا حقیقی احترام باقی رہا، بعد کے ادوار کو دیکھیے تو جو چیز بھی ذہنوں اور دماغوں پر چھا گئی ہے اسی کا کلمہ سب پڑھنے لگے ہیں۔ جس دور میں شعروادب کا زور ہوتا ہے اسی رنگ میں مست نظر آنے لگے، جب یونانی علوم کی گرم بازاری ہوئی تو ان علوم کے آگے سارے علوم ہیچ ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے اعزاز و احترام میں کتاب و سنت کی بساط بھی لپیٹ کر رکھ دی گئی۔ اسی طرح جب تصوف کا چرچا پھیلا تو کتاب و سنت کی تعبیر میں بھی اسی کی روشنی میں کی جانے لگیں، گویا یہ اصل ہے اور کتاب و سنت اس کی فرع ہیں۔ اب اس زمانہ میں دیکھیے تو مغربی علوم و فنون نے ہر شخص کو اس طرح مسحور کر لیا ہے کہ کسی کو ہوش ہی نہیں کہ ان کے سوا کوئی اور علم بھی ہے جس کے سیکنے سکھانے کی ضرورت ہے اور زندگی میں اس کی پٹی

کوئی قدر و قیمت ہے۔ حالانکہ ہر چیز میں حق و باطل کے درمیان امتیاز کی کسوٹی ہے وہی ہے جس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس کے بغیر تو یہ سارے علوم و فنون انسانیت کے حقیقی فائدہ کے نقطہ نظر سے مزین و زیادہ اور مفید بہت کم رہ جاتے ہیں۔ لیکن ہماری تاریخ میں بہت تھوڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے اس ہمہ گیر فتنہ کے اندر اپنے ذہنی توازن کو قائم رکھا اور چونکہ زمانہ کا ساتھ دیتے ہوئے اتنے عاجز و بے بس ہوئے کہ وہ وقت کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں اور نہ اتنے جاہد ثابت ہوئے کہ سیلاب ان کے اوپر سے گند جائے اور وہ اپنی جگہ ہی پر پتھر کی طرح پڑے رہ جائیں۔ وہ حقیقت یہی گنتی کے افراد ہیں جنہوں نے تمام طوفانوں اور تھپڑوں کے اندر امت کے سفینہ کی ناخدائی کی ہے اور اس کو غرق ہونے سے بچایا جائے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو آج ہمارے لیے یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہوتا کہ ہماری تاریخ کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں پر جا کر ختم ہوئی۔ ہم صحرا میں ایک کھوئے ہوئے قافلہ کی مانند ہوتے جسے کچھ تیرہ نہیں کہہ سکتے ہیں اور کبھر جانا ہے۔

اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کے اختیار کرنے کے ان چاروں اسباب پر نگاہ ڈالیے تو ان کی تیرہیں یا تو شوخی کی کمی نظر آئے گی یا ہمت کی۔ جو لوگ وقت اور زندگی کی ناقدری کے سبب سے یہ روش اختیار کر لیتے ہیں ان کے اندر شعور اور بیداری کا فقدان ہے اور جو لوگ مشکلات کا ریا سمہ گیر بگاڑ سے مرعوب ہو کر وہ بوائے عام میں مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں ان کے اندر غم اور یقین ناپید ہے۔ شعور کو بیدار رکھنے کے لیے سب سے زیادہ مفید چیز صالح لٹریچر کا مطالعہ اور ذی شعور لوگوں کی صحبت ہے۔ آدمی کو برابر ایسی چیزیں پڑھنے رہنا چاہیے جن میں زندگی کی حقیقتوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے، جو دل کو بیدار کرنے والی اور کانوں اور آنکھوں کو کھولنے والی ہیں، جو عقل کو جلا دیتی اور روح کو گرماتی ہیں، جن سے ایمان کی غنا ملتی ہے اور اس عالم فانی کی جگہ عالم باقی کی محبت پیدا ہوتی ہے، جن کے اندر معرفت کا نور اور علم حقیقی کی روشنی ہے۔ ایسی چیزوں میں سب سے اونچا درجہ کتاب اللہ اور احادیث رسول کا ہے۔ ان کے حرف اور سطر سطر کے اندر خالص حقیقت اور بالکل بے آمیز علم ہے۔ ان کے بعد زبور و انجیل، امثال سلیمان اور صالحین و مصلحین امت کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں یا پھر ایسے حکیموں اور فلسفیوں

کی چیزیں ہیں جنہوں نے فی الواقع زندگی کے مسائل پر غور کیا ہے اور اس کے حقائق سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ ان چیزوں کے اندر کچھ ملاوٹیں اور آئینہ نشیں بھی ہیں اور جگہ جگہ ان میں ٹکراؤ انسانی کی غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں لیکن جو لوگ ان کو قرآن و حدیث کی روشنی میں پڑھتے ہیں وہ نہایت آسانی سے ان کے حق و باطل میں خود امتیاز کر لیتے ہیں۔

ہمت اور عزیمت پیدا کرنے کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں ان میں سے اکثر تو ایسی ہیں جن کا تعلق عمل سے ہے اور ہم ان کی تفصیل آگے چل کر تزکیہ عمل کے باب میں کریں گے۔ یہاں جس بات کا بتانا مناسب اور ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ایک حقیقت کو جیسی کچھ بھی وہ ہو پلے آدی کو وہ ٹھیک ٹھیک سمجھ لینا ہی چاہیے ایک حقیقت کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینا ان تیاریوں میں بہت ضعیف ہے جو آدی کو اس سے جہدہ برآ ہونے کے لیے کرنی پڑتی ہیں۔

اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ جتنی بھی اعلیٰ قدریں ہیں وہ فطرت کو محبوب بننے کے باوجود عیساکہ عرض کیا گیا بہشت طلب اور صبر آزما ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ان کے پہلے دنے تو ہمیشہ زیادہ رہے ہیں لیکن علمائے اہل حق کے اختیار کرنے والے ہمیشہ تھوڑے ہی نکلے۔ ان کی خوبیوں اور برکتوں کے گن گن تو بڑوں اور پست ہمتوں نے بھی گائے لیکن ان کے حاصل کرنے کے لیے جن قربانیوں کی ضرورت تھی ان کے پیش کرنے والوں کی تعداد ہمیشہ کم ہی رہی۔ اس صورت حال کی وضاحت اس راہ کے داعیوں نے ہمیشہ خود ہی کر دی ہے تاکہ وہی لوگ اس میں قدم رکھیں جو اس کی مشکلات سے جہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے اندر کچھ دم خم رکھتے ہیں، جو لوگ اس واہی پر خار کی صورتوں کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ ہی نہیں رکھتے بہتر ہے کہ وہ اس کا رخ ہی نہ کریں۔

جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جانے کیوں؟

حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ نیکی کی راہ تنگ ہے اور اس کے چلنے والے تھوڑے ہی اور

بدی کا راستہ فرخ ہے اور اس کے چلنے والے بہت ہیں۔

اسی حقیقت کو قرآن نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يَتَّخِذُوا أَنْ يَمُرُّوا
بِأَنْفُسِكُمْ أَنْ يُلَاقُوا رَبَّهُمْ بَلْ هُمْ كَاذِبُونَ

أَمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ - وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَ
لَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ - (عنکبوت - ۲۴-۲۵)

دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی جانچ نہیں
ہوگی، حالانکہ ہم نے ان لوگوں کو جانچا جو ان سے پہلے گزرنے
تو اللہ ضرور تمیز کرے گا ان لوگوں کو جنہوں نے سچ کہا اور ان
لوگوں کو جو جھوٹے ہیں۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کو بھی نہایت واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ اس دنیا میں اگرچہ خبیثت اور
خبائث پسندوں کی اکثریت ہے اور یہ اکثریت کمزور دل اور سست ہمتوں کو خباثت پسندی پر اُکساتی ہے، لیکن
خدا کی میزان میں بہر حال وزن طیب ہی کا ہے اور فلاح پانے والے وہی ہونگے جو خبیثت کی اس کثرت سے
مرعوب نہ ہوں بلکہ طیب کو اختیار کریں اگرچہ یہ خود بھی کم ہو اور اس کے لیے بازیاں کھیلنے والے بھی کم ہی ہوں۔
قُلْ لَا كَيْفَ لِي بِالْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتِ وَلَوْ
أَعْجَبَكَ كَثْرَتُهُ الْخَبِيثَاتِ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي
الْأَلْبَابِ - (مائدہ - ۱۰۰)

کہہ دو خدا کی میزان میں خبیث اور طیب برابر نہیں ہونگے
اگرچہ خبیثت کی کثرت تم کو کتنا ہی فریفتہ کیوں نہ کرے تو
اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ عمل رکھنے والو۔

ان تشبیہات کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص حقیقت کو جیسی کچھ وہ ہے، اچھی طرح سمجھ لے۔ کوئی شخص
اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہے کہ ادنیٰ کے مقابل میں اعلیٰ کی طلب کوئی آسان بازی ہے جس کو ہر شخص کھیل سکتا
ہے۔ اس میں تو شبہ نہیں ہے کہ چاہنے کی چیز اگر کوئی ہے تو یہی ہے، کرنے کا کام کوئی ہے تو یہی ہے، کامیابی اور
فلاح کی راہ ہے تو یہی ہے، انسان کے شرف اور عزت کے مطابق، اور اس کے مرتبہ اور درجہ کے مطابق
کوئی چیز ہے تو یہی ہے۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ اس راہ کے خطرات کا مقابلہ کرنا اور اس کی مشکلات
سے عہدہ برآ ہونا ہر بوجہوں پر مدعی کا کام نہیں ہے۔ اس میں کامیابی اپنی کو حاصل ہو سکتی ہے جو ایک
عاشق صادق کا جنون اور ایک مرد مجاہد کا عزم و حوصلہ رکھتے ہوں۔

اس صورت حال کو سمجھ لینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ آدمی جس کام کے لیے اُٹھے اگر اس کے تقاضوں اور
اسکے نتائج سے پوری طرح باخبر ہو اور اس کے لیے اپنے عزم و ارادہ کو اچھی طرح تول کے اُٹھے تو مشکلات سے
لڑنے اور ان پر قابو پانے کی صلاحیت اس کے اندر بہت بڑھ جاتی ہے۔ لیکن اگر اس طرح کے کسی معرکہ کے

یہ وہ بالکل بے خبرانہ اٹھ کھڑا ہو تو پہلی ہی چوٹ میں وہ ہمت یار مچھتا ہے۔ اگر ایک شخص شیر کے شکار کے ارادہ سے نکلے اور اس کو شیر سے سابقہ پیش آجائے تو وہ خطرات میں اپنے حواس بجا رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور لبا اوقات اس میں وہ کامیاب بھی ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص کبوتر شکار کے لیے نکلے اور اس کو سابقہ پیش آجائے شیر سے تو وہ کس طرح اپنے اوسان قائم رکھ سکتا ہے۔

اس حقیقت نفس الامری سے کما حقہ واقفیت کے علاوہ دوسری چیز جو آدمی میں عزم بت پیدا کرتی ہے۔ وہ مردانہ حق کی معیت و رفاقت ہے۔ یہ معیت و رفاقت ذمہ داری طور پر بھی حاصل کی جاتی ہے اور عملی طور پر بھی۔ ذمہ داری طور پر اس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی سیرتوں کا برابر مطالعہ کیا جاتا رہے جنہوں نے راہ حق میں مصیبتیں جھیلی ہیں۔ جنہوں نے اعلیٰ اقدار کی طلب میں دنیا کی جھوٹی عزتوں اور شہرتوں کو نہایت حقارت سے ٹھکرایا ہے جو نیکی اور سچائی کی راہ پر چلنے کے لیے یکہ و تنہا اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اور اپنے عزم و حوصلہ سے انہوں نے دوسروں کے لیے اس راہ پر چلنا آسان کر دیا ہے، جنہوں نے جہل کی ظلمت میں علم کے دیئے جلائے ہیں اور ان کو باوجود دشمنی سے محفوظ رکھا ہے، جنہوں نے باطل کے غوغائے عام میں حق کا لغزہ مستانہ بلند کیا اور پھر یا تو باطل کو مغلوب کر لیا ہے یا اس سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے ہیں اور اپنے بعد آنے والوں کے لیے اپنا نقش قدم ایک نشانِ مہبت کی حیثیت سے یادگار چھوڑا ہے۔ ایسے لوگوں کے حالات زندگی کا مطالعہ آدمی کے اندر مہبت پیدا بھی کرتا اور پیدا شدہ مہبت کو بزرگوار بھی رکھتا ہے۔

عملی طور پر اس چیز کو حاصل کرنے کے لیے آدمی کو ایسے لوگوں کی جستجو کرنی پڑتی ہے جو اس راہ میں اس کی رہنمائی کر سکیں۔ اور اگر رہنمائی نہ کر سکیں تو کم از کم رفاقت ہی کا حق ادا کر سکیں۔ یہ دنیا جیت تک قائم ہے اس میں جس طرح بُرے لوگ موجود رہیں گے اسی طرح اچھے لوگ بھی موجود رہیں گے۔ اگر بُروں کو لیڈر بھی مل جاتے ہیں اور ساتھی بھی میسر آ جاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک خیر کے طالب کو ساتھی اور رہنما نہ مل سکیں بشرط عرف یہ ہے کہ آدمی خلوص کے ساتھ تلاش کرے اور حیب پا جائے تو ان کی معیت و رفاقت کے حاصل کرنے کے لیے ہر قیمت دینے پر تیار ہو جائے۔ یہاں تک کہ اگر اس کے لیے آدمی کو گھر بار اور ملک و وطن بھی چھوڑنا پڑ جائے تو یہ بازی بھی وہ جی کر اکر کے کھیل ہی ڈالے۔ یہ خدا کی راہ میں اس کی ہجرت ہوگی اور اس ہجرت کی راہ آدمی

کے لیے ہمیشہ کھلی ہوئی ہے۔ ہجرت کا اصلی مقصد ہمیشہ یہی رہا ہے کہ ایک اعلیٰ منصب العین کی خاطر ایک نامیادگاہوں کو چھوڑ کر ایک سازگار ماحول تلاش کیا جائے۔ یہ ماحول زندگی کے بناؤ اور بگاڑ میں بڑا موثر عامل ہے جس کو کسی حال میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ماحول ناسازگار ہو، تو لیا اوقات بڑی اعلیٰ صلاحیتیں برباد ہو کے رہ جاتی ہیں۔ اور اگر ماحول سازگار مل جائے تو معمولی صلاحیتیں بھی جلا پا کر ذرہ سے آفتاب بن جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام تک کا حال یہ رہا ہے کہ انہوں نے اچھے ماحول اور اچھے ساتھیوں کے لیے دعائیں کی ہیں اور ان کے حاصل کرنے کے لیے بڑی بڑی بازیاں کھیلی ہیں۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام اپنی عزیمت و استقامت کے اعتبار سے جلائے خود ایک عالم رہے ہیں، انہوں نے دوسروں کو اپنی حرارت سے گرمی پہنچائی ہے کبھی دوسروں سے حرارت حاصل کرنے کے محتاج نہیں ہوئے اور

. اپنی فات سے اپنے ماحول کو روشن کیا ہے، کبھی ماحول سے روشنی حاصل کرنے کی ان کو ضرورت نہیں پیش آئی ہے۔

اس میں شبہ نہیں ہے کہ آدمی کی صلاحیت اگر قوی ہو تو لیا اوقات وہ تاریکی سے بھی روشنی حاصل کر لیتا ہے اور راہ کی ٹھوکریں سے بھی اس کو رہنمائی مل جاتی ہے۔ علامہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ابو الہیثم نامی ایک چور کے لیے اکثر دعائے خیر فرماتے رہتے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایک چور کے لیے دعائے خیر کیوں فرماتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میرے ابتلا کے زمانہ میں اس نے اپنے عملی نمونہ سے مجھے نہایت قیمتی درس دیا تھا، جب مجھے بیڑیوں میں جکڑ کر اور اونٹ پر سوار کر کے لے جایا جا رہا تھا تو یہ شخص ایک جگہ راہ میں مجھے ملا اور اس نے مجھ سے کہا کہ ابن حنبل، چوری کے جرم میں بھارتی باغی قید و بند کی مصیبتیں بھینٹی پڑی ہیں اور اتنے سوڈے میری پیٹھ پر برسے ہیں تاہم میں اپنی حرکت سے باز نہیں آیا، اگر میں شیطان کی راہ میں یہ مصائب بھیل کر اس طرح استوار رہ سکتا ہوں تو حیف ہے اگر تم خدا کی راہ میں ان مصائب کو پامردی سے نہ برداشت کر سکو۔ حضرت امام فرماتے ہیں کہ اس کی اس جرات و صلاحیت سے مجھے بڑی تعریف حاصل ہوئی۔ اسی طرح جو لوگ اپنے اندر اعلیٰ صلاحیتیں رکھتے ہیں ان سے یہ توقع بعید نہیں ہے کہ وہ ان جاننازیروں سے راہ حق کے لیے درس حاصل کریں جو آج باطل کے علم بردار

باطل کو سر بلند کرنے کے لیے دکھا رہے ہیں لیکن ایسے غیر معمولی عزم و حوصلہ کے لوگ زیادہ نہیں ہو سکتے۔ زیادہ لوگ تو ایسے ہی ہو سکتے ہیں جن کو اچھے ساتھ ملیں تو وہ اچھے بن سکتے ہیں۔ لیکن اگر بُرے ساتھ مل جائیں تو اندیشہ ہے کہ اُن کی بُرائیاں ان پر بھی غالب آجائیں۔ اس وجہ سے انسان کی عام فطرت کے لحاظ سے یہ فرضی ہے کہ جو لوگ اپنی خوبیوں کو پروان چڑھانا چاہتے ہوں وہ سازگار ماحول اور اچھے ساتھیوں کی تلاش سے غافل نہ رہیں۔

آخری چیز جو اس مقصد کے لیے اکیسرا حکم رکھتی ہے وہ بندے کا اللہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اگر دل کا سفینہ اس لنگر کے ساتھ بندھا ہوتا ہو تو خواہ کیسی ہی باوجود مخالف چلے اور کیسی ہی خطرناک موجیں اٹھیں لیکن کشتی ہچکولے کھا کر بھی سلامت رہتی ہے اور طوفانوں کے اندر سے گزرتی ہوئی ساحلِ مراد پر پہنچ ہی جاتی ہے۔ رہنا غلطی کر سکتے ہیں اور فقاء ساتھ چھوڑ سکتے ہیں لیکن خدا کبھی ان لوگوں کو نہیں چھوڑتا جو بہر حال اور بہر صورت خدا کو کپڑے رہنا چاہتے ہیں۔ اس نے خود فرمایا ہے کہ جو لوگ میری راہ پر چلنا چاہتے ہیں اور اس راہ کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں میں ان کے لیے مشکلات کے اندر سے راہ پیدا کرتا ہوں۔ مَنْ جَاهَدَ فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ اور اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ جو لوگ اس راہ کی مشکلات کے مقابل میں ثابت قدم رہنا چاہتے ہیں تو یہ چیز ان کو اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جیسا کہ میرے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط و استوار رکھیں اور میری یاد سے کبھی غافل نہ ہوں۔ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ اِدْتِمَّ ثَابِتٌ قَدَمِي نَهَيْتُ حَاصِلٌ كَرَسْتُمْ مَكَرَ اللّٰهِ كَيْ تَعْلُقَ سَعِي۔